ارتداد کے معاملہ میں دیکھئے کہ اس کی دنیوی سزا صرف اس وقت دی جا سکتی ہے جب کہ آدمی کا ارتداد علانیہ ہو، حکومت کے نوٹس میں آجائے، اور عدالت میں اس کا ثبوت بہم پہنچ جائے۔ مگر بکثرت ارتداد ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو مخفی طور پر واقع ہوں، اور بار بار توبہ کرنے کے بعد آدمی پھر کفر میں مبتلا ہوتا رہے۔ لہٰذا دنیوی سزا قانون میں تجویز کر دینے کے باوجود اخروی سزا کا ذکر ضروری ہے، اور کسی مقام پر محض اخروی سزا مذکور ہونے کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ اس جرم کے لئے دنیوی سزا نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں میرے لئے یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ "مرتد کی سزا" کا نام سنتے ہی قادیانی حضرات آخر کیوں اس قدر پریشان ہو جاتے ہیں؟ میں نے اپنی کتاب میں کہیں بھولے سے اشارۃً تک ان کی طرف نہیں کیا ہے۔ پھر بھی وہ اس پر اتنے مشتعل ہیں کہ گویا انہی کے لئے سزائے موت تجویز کی گئی ہے۔ کیا وہ خود اپنے متعلق کسی شبہ میں پڑے ہوئے ہیں؟

آیت الخبیثٰت للخبیثین سے مراد یہ ہے کہ بدکار مردوں کے لئے بدکار عورتیں ہی موزوں ہیں، اور بدکار عورتوں کے لئے بدکار مرد ہی موزوں ہیں۔ پرہیزگار اہلِ ایمان کا یہ کام نہیں ہے کہ ایسے لوگوں سے رشتے جوڑیں۔

آیت فلما جن علیہ اللیل کی تفسیر کے لئے تفہیم القرآن ملاحظہ کیجئے۔ سورۂ انعام کی تفسیر میں اس آیت پر مفصل کلام کیا گیا ہے۔

اختلاف کے جائز حدود

سوال:

تحریک کا ہمدرد ہونے کی حیثیت سے اس کے لٹریچر اور جرائد و اخبارات کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ اب تک بزرگانِ دیوبند اور دوسرے علماء کی طرف سے جو فتوے شائع ہوتے رہے ہیں اور ان کے جو جوابات امیر جماعتِ ہند و امیر جماعتِ پاکستان و دیگر ارکین جماعت کی طرف سے دیئے

گئے ہیں، سب کو بالالتزام پڑھتا رہا ہوں۔ اپنے بزرگوں کی اس حالت کو دیکھ کر بہت صدمہ ہوتا ہے مگر سوائے افسوس کے اور چارہ کوئی نظر نہیں آتا۔

ان فتووں کو دیکھ کر یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ تکفیر و تفسیق کا معاملہ جماعت اسلامی اور بزرگان دیوبند ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ جب ہم اسلافِ کرام و ائمۂ عظام کی سیرتوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم ان بزرگوں کی سیرتوں میں بھی اس مسئلے کو مختلف فیہ پاتے ہیں۔ مثلاً ایک گروہ میں امام ابن تیمیہؒ، امام ابنِ حزمؒ اندلسی، امام ابن جوزیؒ وغیرہم اکابر ہیں، دوسرے گروہ میں امام ابنِ عربیؒ، امام غزالیؒ، امام ولی اللہؒ جیسے بزرگ ہیں۔ ان میں سے پہلا گروہ کہتا ہے کہ لا الہ الا اللہ کا مطلب "لا معبود الا اللہ" ہے، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کا مطلب "لا موجود الا اللہ" ہے۔ پہلا گروہ دوسرے گروہ کے اس عقیدے کو کفر و الحاد کہتا ہے، دوسرا گروہ اپنے اس عقیدے کو توحید کا اعلیٰ و اکمل درجہ تصوّر کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کلمہ جس کی تشریح کے لیے قرآن نازل کیا گیا اسی کے متعلق علمائے امت وائمۂ وقت کا یہ اختلاف کیسا ہے؟

امید ہے کہ آپ اس مسئلے پر ترجمان القرآن میں مفصل بحث فرمائیں گے!

جواب:۔

کسی مفصل بحث کے بجائے آپ کی تشفی کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ قرآن مجید اپنے مدعا کو بغیر کسی ابہام کے صاف صاف بیان کرتا ہے، اور اس نے کسی ایسی حقیقت کو جس کا جاننا آدمی کی ہدایت کے لیے ضروری تھا، واضح کیے بغیر نہیں چھوڑا ہے۔ مگر اختلافات پیش آنے کے دو بڑے اسباب ہیں:۔

ایک یہ کہ جب لوگ کسی قرآنی حقیقت کی اپنے الفاظ میں تعبیر کرتے ہیں اور قرآن کی حدود سے آگے بڑھ کر اپنی تشریحات پیش کرتے ہیں تو رائے کے اختلافات، اور بسا اوقات سخت اختلافات کی گنجائش نکل آتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ جب لوگ اپنے آپ کو ایسے سوالات کا جواب دینے کا مکلف سمجھتے ہیں جن کی تکلیف خدا اور رسول نے ان کو نہیں دی تھی تو جھگڑوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

اس پر بھی بات نہ بڑھے، اگر ایک شخص اپنے بیان پر اور دوسرا اس کی تردید پر قناعت کرے۔ لیکن پہلے بھی بارہا ایسا ہوا ہے اور آج بھی ہو رہا ہے کہ ایک شخص اپنی بات کہنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اسے عین قرآن کی بات اور اس کے منکر کو صراحتہً یا کنایتہً قرآن کا منکر ٹھیرا دیتا ہے، اور دوسرا شخص اُس کی تردید پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ اسے ضالّ و مضلّ، اور بسا اوقات کافر تک ٹھیرا دیتا ہے۔ پھر اس سے آگے بڑھ کر ہر ایک کے متبعین اپنے اپنے پیشوا کی بات کی پچ کرتے ہیں اور مزید تشدد برتنے لگتے ہیں۔ ان طریقوں سے مختلف فرقوں کی بنا پڑ جاتی ہے اور ہر ایک دوسرے سے نماز اور مسجد اور شادی بیاہ تک کے تعلقات توڑ لیتا ہے، اور اپنے مخصوص مسائل پر کفر و ایمان کی بنا رکھ دیتا ہے۔

یہ ہے خرابی کا اصل سبب، ورنہ اگر نص کو نص کی جگہ رہنے دیا جائے اور تعبیر و تشریح و استنباط کو مثلِ نص نہ بنایا جائے، اور بحث کو صرف اختلافِ رائے کی حد تک ہی رہنے دیا جائے تو اکثر خرابیاں سرے سے رونما نہ ہوں، اور نہ وہ سوالات پیدا ہوں جن پر آپ نے پریشانی کا اظہار کیا ہے۔

جن بزرگوں کے آپ نے نام لیے ہیں، اور جن کے نام نہیں لیے ہیں اُن کے درمیان جن مسائل میں اختلافات، اور شدید اختلافات ہوئے ہیں ان میں سے اکثر مسائل پر مَیں بھی اپنی ایک رائے رکھتا ہوں اور لامحالہ میری رائے اُن میں سے بعض کے موافق اور بعض کے خلاف ہے۔ مگر مَیں صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہنے پر ٹھیر جاتا ہوں، اِس سے آگے بڑھ کر اُن لوگوں پر کوئی حکم چسپاں نہیں کرتا جن کی رائے سے مَیں نے اختلاف کیا ہے، اور نہ بحث کا یہ طریقہ اختیار کرتا ہوں کہ "میرے نزدیک فلاں شخص کی فلاں بات سے یہ لازم آتا ہے اور یہ کفر یا فسق یا ضلالت ہے، لہٰذا فلاں شخص ضالّ اور مضلّ یا کافر یا فاسق ہے"۔ اس طرح کے حکم لگانے کو میں حق سے تجاوز سمجھتا ہوں، کیونکہ ہماری منطق کے رُو سے اگر کسی شخص کے کسی قول سے ایک بُری بات لازم آتی ہو تو ہم اسے یہ الزام نہیں دے سکتے کہ اس "لازم" کا بھی وہ التزام کرتا ہے، اس لئے اُسے اس کا ملتزم ٹھیرا کر اس پر وہ حکم لگانا جو اس بُری بات کے ملتزم ہی پر لگایا جا سکتا ہو، کسی طرح جائز نہیں۔